محمد جعفر پھلواروی

صحیح بخاری اور آغازِ وحی کی روایت

امام بخاری کی عظمت و جلالت، لگاتار محنتِ شاقہ، قوتِ حافظہ، صحتِ حدیث کی کڑی شرائط اور زہد و اتقا سب کچھ مسلّم ہے اور اسی وجہ سے ان کے مجموعۂ روایات (صحیح بخاری) کو اُمت کا بڑا حصّہ اصح الکتب[1] بعد کتاب اللہ قرار دیتا ہے۔ صحیح بخاری میں اسانید، روایت اور درایت دونوں کو بڑی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ اور خصوصاً سیرتِ رسولؐ لکھتے وقت کوئی شخص اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ان تمام حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے باوجود چند دوسرے پہلوؤں کو نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔ مثلاً:

۱۔ یہ ضرور نہیں کہ ساری صحیح روایات اس میں لازماً آگئی ہوں۔ بے شمار صحیح باتیں ایسی بھی ہیں جو صحیح بخاری میں موجود نہیں اور وہ دوسری کتابوں میں موجود ہیں۔ نہ فقط دوسرے محدثین و مؤرخین کی کتابوں میں بلکہ خود امام بخاری کی دوسری تصانیف میں بھی موجود ہیں اور اس حقیقت کا اعتراف خود امام بخاری کو بھی ہے کہ: میں نے ساری صحیح باتوں کو اس میں درج نہیں کیا ہے۔

۲۔ کچھ روایتیں صحیح بخاری میں ایسی بھی موجود ہیں جن کا کوئی حصّہ مجمل ہے اور اس کی تفصیل دوسری کتابوں میں ملتی ہے۔ اس وقت میرا اصل موضوعِ سخن یہی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

۳۔ امام بخاری اپنے تمام زہد و فضل اور احتیاط و تقوےٰ کے باوجود بہرحال ایک انسان تھے۔ صاحبِ وحی نہ تھے۔ اور اپنی ساری مساعی مشکورہ اور اخلاصِ نیت کے باوجود بشری تقاضائے لغزش و خطا سے منزّہ و بالا نہ تھے۔ یہ عین ممکن ہے کہ کسی روایت کو درج کرتے وقت خود اپنی ہی وضع کردہ شرائطِ صحت کے تمام ضروری پہلوؤں کو پیشِ نظر رکھنے میں بشری تسامح ہو گیا ہو۔

۴۔ ایسے تسامحات نیک نیتی کی وجہ عند اللہ قابلِ گرفت نہ ہونگے لیکن اگر کسی دَور میں کوئی شخص کھٹک محسوس کرے تو وہ بھی اس کی نشان دہی کرنے میں نیک نیت ہو سکتا ہے اور وہ بھی عند اللہ ماخوذ نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی شخص صحیح بخاری کے

---

[1] ہمارے اُستاذِ حدیث حضرت مولانا حیدر حسن خاںؒ ٹونکی جبکہ وہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث تھے اور فی الواقع وہ اسی منصب کے اہل تھے اکثر فرمایا کرتے کہ: "میاں یہ بات جھوٹ ہے کہ صحیح بخاری کے اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہونے پر اُمت کا اجماع ہے"۔ مولانا موصوف حنفیت میں بڑے متشدّد تھے اور اسی جوش میں وہ یہ گفتگو فرمایا کرتے تھے لیکن چونکہ وہ خاصے وسیع النظر تھے اس لئے وہ اس دعوے کی تائید میں دلائل کا انبار لگا دیتے تھے۔ افسوس ہے کہ میں ان کی باتیں قلمبند نہ کرسکا۔

کسی حصّہ روایت کو محل سمجھ کر دوسری روایات سے اس کی تفصیل کرے تو اسے قابلِ ملامت نہیں قرار دینا چاہیئے۔

۵۔ اگر کسی مسلمان کو صحیح بخاری کی کسی روایت میں یا اس کے کسی حصے میں کوئی ایسی بات نظر آئے جس سے قرآنی عظمت و محفوظیت یا نبوی نزاکتِ کردار (خواہ کسی پیغمبر کا ہو) یا عام اسلامی تعلیم کی اسپرٹ (اس کے خیال میں) موافقت نہ رکھتی ہو اور اس کی توجیہ و تطبیق پر اس کا دل نہ جمتا ہو تو ان تمام صورتوں میں اس سے اظہارِ تشکوک کا حق سلب نہ کرنا چاہیئے کیونکہ قرآن، یا رسول یا اسلام کی عظمت امام بخاری کی سعی مشکور کے احترام پر بہرحال مقدّم ہے۔ محض اتنی سی بات پر کسی کو منکرِ سنت یا منکرِ رسالت وغیرہ کا خطاب دینا "تنابُز بالالقاب" سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ رسول کی بات کی طرح رسول کی ذات بھی واجب الاحترام ہے بلکہ بات کا احترام ہی ذات کی وجہ سے ہے۔

۶۔ اس فرق کو کبھی نظرانداز نہ کرنا چاہیئے کہ کسی روایت پر اظہارِ تشکوک کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اسے رسول کی بات سمجھ کر ردّ کر رہا ہے بلکہ اس کی مراد صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ رسول کی طرف اس روایت کا انتساب درست نہیں، یا تو اس لئے کہ اسے بیان کرنے میں راوی سے کچھ سہو ہو گیا ہے یا اس لئے کہ اسے نقل کرنے میں لکھنے والے سے تسامح ہو گیا ہے۔ یا اس لئے کہ واقعہ اور اس کا پسِ منظر اپنی اصلی شکل میں سامنے نہ آسکا۔ یا اس لئے کہ اس کا کوئی ضروری پہلو تشنۂ وضاحت رہ گیا ہے۔ یا اس لئے کہ اس میں کوئی ایسا اجمال ہے جو تفصیل طلب ہے اور وہ یہاں مذکور نہیں ہے۔ یہ امکانات ایسے نہیں جو ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئے ہوں یا بعید از عقل ہوں۔

۷۔ یہ بھی ضرور نہیں کہ اگر اس قسم کے امکانات کے کسی پہلو پر اگر پہلے کسی کی نظر نہ پڑی ہو تو اب بھی نہیں پڑ سکتی یا نہ پڑنی چاہیئے اگلے محدثین و شراح حدیث میں بھی بے شمار قابلِ احترام بزرگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے ایسے بہت سے تسامحات کی نشان دہی کی ہے لیکن اُنہوں نے نہ تو یہ دعوے کیا ہے کہ ہماری تمام نشان دہی بالکل درست ہے اور نہ یہ فیصلہ دیا کہ اب کسی پہلو سے کسی دور میں بھی کسی مزید تسامح کی نشان دہی نہیں ہو سکتی یا اب نقد و بصر، جرح و تعدیل اور اظہارِ تشکوک کے تمام دروازے اسی طرح بند ہیں جس طرح اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ (یہاں یہ بھی پیش نظر رہنا چاہیئے کہ قرآن یا حدیث میں کہیں بھی اجتہاد کا دروازہ بند نہیں کیا گیا۔ بلکہ حدیثِ معاذ وغیرہ میں اس کی ترغیب بلکہ حکم ہے۔ دراصل اجتہاد پر یہ بندش خود ایک اجتہاد ہے اور اصولاً پہلے یہی دروازہ بند کرنا چاہیئے)۔

۸۔ جس طرح یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ صحیح بخاری کی تمام روایات الف سے ی تک قرآن کی طرح اظہارِ تشکوک سے بالاتر ہیں (اگر ایسا ہوتا تو خود محدثین و شراح کیوں اس کی بعض روایات کو محلِ نظر ٹھہراتے؟) اسی طرح یہ ادعا بھی نہیں کیا جا سکتا کہ صحیح بخاری سے کم درجے کی کتابوں —— خواہ وہ کتبِ احادیث ہوں یا کتبِ تاریخ —— کی ساری روایتیں غلط ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ روایات کے کم سے کم درجے کے مجموعے میں بھی ہزار رطب و یابس کے انبار موجود ہوں لیکن وہ سب کے سب از ابتدا تا انتہا غلط اور ساقط الاعتبار نہیں۔ ان میں بہت سی صحیح باتیں بھی موجود ہیں۔ اب یہ محقق کا کام ہے کہ وہ ان نقلی نگینوں میں سے اصلی جواہر ریزوں کو تلاش کر کے صحیح محل پر جڑ دے۔

۹۔ ایک مؤرخ اور ایک سیرت نگار کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک دو مجموعۂ احادیث پر کلّی اعتماد کرے اور باقی کتابوں کو چھوڑ دے۔ اس کا یہ فرض ہے کہ اعلیٰ درجے کے قابلِ اعتماد مجموعۂ روایات میں لسے کہیں خلا نظر آئے تو اسے دوسری کتابوں کی مدد سے پُر کرے۔ یہ اس کا محض فرض ہی نہیں بلکہ وہ اس پر مجبور ہے اور آج تک کسی مؤرخ یا سیرت نگار کو اس سے مفر نہ ہو سکا اور نہ ہو سکتا ہے۔

۱۰۔ ہمارا ادارہ نہ تمام کتابوں کو از اوّل تا آخر واجب الرد تصوّر کرتا ہے نہ ہر ایک کو از ابتدا تا انتہا واجب القبول یقین کرتا ہے۔ اس کی کوشش یہ ہے کہ اپنی بساط بھر تمام علمی ذخائر سے فائدہ اُٹھائے، خزف کدوں میں سے بھی جواہر ریزوں کو تلاش کرکے نکالے، اسلامی اسپرٹ کی اعلیٰ اقدار کی جستجو کرے اور زمان و مکان کے عصری تقاضوں کو اور ملکی و قومی احوال و ظرف کے ارتقائی ممکنات کو نظر انداز نہ کرے۔ ہمارے اس رجحان کو آپ جن الفاظ سے چاہیں یاد کریں۔ آپ کو اختیار ہے۔ ہماری گذارش صرف اسی قدر ہے کہ ہم سب تا حدِ امکان تنابُز و تلاُدم سے جہاں تک بچ سکیں اسی قدر بہتر ہے۔ ہمیں یہ کبھی دعوےٰ نہیں کہ ہماری ہر ریسرچ حرفِ آخر ہے یا اس میں غلطی کا کوئی امکان نہیں۔ یہ ہماری صرف ایک کوشش ہے۔ اس کی اصلاح یا اس پر اضافے ہوتے ہی رہیں گے اور ہونے چاہئیں۔ اور ایسا کرنے والوں کی سعی ہماری نظروں میں بھی اور عنداللہ بھی مشکور ہی ہوگی۔

اس وقت ہمیں یہ مُمل خاطر طویل تمہیدی مقدمات قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پڑی کہ ہمیں اس عام نزاکتِ جذبات کا احساس ہے جو صحیح بخاری کی کسی روایت پر اظہارِ شکوک کرنے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ ہمارے پاس ان قائم کردہ مقدمات کی تائید میں کافی شواہد موجود ہیں جن کو ہم نے عمداً بخوفِ طوالت نظر انداز کر دیا ہے۔ تفصیلات کا یہ محل نہیں۔ علاوہ ازیں ہمیں یقین ہے کہ ــــ بجز اُن حضرات کے جو فرقی جذبات اور غیر فراخ دلانہ عصبیت سے بہت زیادہ مغلوب ہوں ــــ کسی اور ذی فہم سے یہ توقع نہیں کہ ہمارے ان مقدمات سے خواہ مخواہ اختلاف کرے یا اسے بدنیتی پر محمول کرے۔

تمام سیرت نگاروں نے حتیٰ کہ علامہ شبلی نعمانی ؒ نے بھی ابتدائے وحی کے واقعات لکھنے میں صحیح بخاری ہی روایت کو (جو سیدہ عائشہ رضؓ سے مروی ہے) اولیت کا مقام دیا ہے بلکہ اسی پر دار و مدار رکھا ہے۔ اسناد روایت کے لحاظ سے ہونا بھی یہی چاہیئے۔ نیز اس کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے کہ حدیث کے طالب علم کے سامنے سب سے پہلے یہی کتاب کھلتی ہے اور پہلے ہی دوسرے دن کے سبق میں آغاز وحی کی مندرجہ روایت پر نظر پڑتی ہے۔ لہٰذا اسی کا لوحِ دل پر منقوش ہو جانا ایک قدرتی بات ہے۔ پھر جب ذہن میں یہ زاویۂ نظر ابتدا ہی سے پیوست ہو کہ یہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے تو حدیث کا طالب علم اُس وقت تو اس اہم روایت کو اظہارِ شکوک سے بالا ہی تصور کرے گا۔ میں بھی اس دَور سے گزر چکا ہوں لیکن اب تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ وغیرہ ہر ایک کے بعض مقامات دل میں کچھ کھٹک پیدا کرتے ہیں اور ذہن میں اس کا حل تلاش کرنے کی ایک بے چینی سی ہوتی ہے۔

ہماری گزارشیں سنئے .... سے پہلے صحیح بخاری کی آغازِ وحی والی روایت سنئے :

(عائشۃؓ) اول ما بدیٔ به رسول صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم وکان لا یری رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیه الخلاء وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیه وهو التعبد اللیالی ذوات العدد قبل ان ینزع الی اهله ویتزود لذلك ثم یرجع الی خدیجة فیتزود لمثلها حتی فجئه الحق وهو فی غار حراء فجاءه الملك فقال اقراء قال ما انا بقاریٔ قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاریٔ فاخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاریٔ فاخذنی فغطنی الثالثة حتی بلغ من الجهد ثم ارسلنی فقال اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم حتی بلغ ما لم یعلم فرجع بها رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یرجف فؤاده فدخل علی خدیجة فقال زملونی زملونی فزملوه حتی ذهب عنه الروع فقال لخدیجة واخبرها الخبر لقد خشیت علی نفسی فقالت کلا ابشر فواللہ ما یخزیك اللہ ابداً انك لتصل الرحم وتصدق الحدیث وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق فانطلقت به خدیجة حتی أتت به ورقة بن نوفل بن اسد بن عبد العزی بن قصی وهو ابن عم خدیجة اخی ابیها وکان امرأ تنصّر فی الجاهلیة وکان یکتب الکتاب العبرانی فکتب من الانجیل بالعربیة ما شاء اللہ ان یکتب وکان شیخا کبیراً قد عمی فقالت له خدیجة یا ابن عم اسمع من ابن اخیك فقال له ورقة یا ابن اخی ماذا تری؟ فاخبره صلی اللہ علیه وسلم خبر ما رایٔ فقال له ورقة هذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسیٰ یا لیتنی فیها جذعا لیتنی اکون حیاً اذ یخرجك قومك فقال صلی اللہ علیه وسلم أو مخرجیّ هم؟ قال نعم لم یأت رجل قط بمثل ما جئت به الا عودی وان یدرکنی یومك انصرك نصراً موزراً ثم لم ینشب ورقة ان توفی وفتر الوحی ۔ (شیخین)

(ترجمہ) پہلی چیز جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز ہوا وہ صالح خواب تھے ۔ اس وقت حضورؐ جو خواب دیکھتے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہو جاتا ۔ اس کے بعد حضورؐ کو خلوت گزینی کی طرف رغبت ہوئی اور آپ غارِ حرا میں تنہا جا کر تحنّث فرمانے لگے ۔ تحنّث کا مطلب یہ ہے کہ متعدد روز و شب عبادت میں گزارتے ۔ پھر اپنے گھر تشریف لاتے اور توشۂ راہ لے جاتے ۔ پھر خدیجہؓ کے پاس واپس آتے اور اسی طرح توشہ لے جاتے ۔ آخر ایک دن دفعۃً پیغامِ حق غارِ حرا کے اندر آپہنچا ۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وہ فرشتہ (جبرئیل) آیا اور کہنے لگا : پڑھئے ۔ حضور نے جواب دیا : میں پڑھا ہوا نہیں ۔ اس کے بعد حضورؐ فرماتے ہیں کہ : مجھے اس زور سے بھینچا کہ

مجھے بھی مدافعت کے لئے پورا زور لگانا پڑا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا۔ پھر وہی سوال و جواب ہوا اور اسی طرح بھینچا اور چھوڑ دیا۔ پھر وہی سوال و جواب ہوا اور اسی طرح بھینچا اور چھوڑ دیا۔ تیسری بار پھر یہی ہوا پھر "اقراء باسم ربک" سے "مالم یعلم" تک کے الفاظ کہے۔ حضورؐ واپس ہوئے تو آپ کا دل دھڑک رہا تھا۔ حضورؐ حضرت خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ: مجھے کپڑا اوڑھا دو، کپڑا اوڑھا دو۔ کپڑا اوڑھا دیا گیا اور رفتہ رفتہ وہ دہشت جاتی رہی۔ حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ: مجھے تو اپنی جان کا خوف دامنگیر ہے۔ خدیجہؓ بولیں: ایسا نہیں ہو سکتا آپ کو تو خوش رہنا چاہیئے۔ بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا و نامراد نہ کرے گا۔ آپ صلۂ رحمی کرتے ہیں، راست گفتار ہیں، دوسروں کا بار اپنے سر پر لیتے ہیں، اَن ہونے کام بھی کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور پیش آنے والے حوادث میں حق کی حمایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد (حضرت) خدیجۃ الکبریٰؓ آپ کو ساتھ لے کر اپنے عمزاد بھائی ورقہ بن نوفل (بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی) کے پاس گئیں۔ یہ ورقہ قبل از اسلام نصرانی ہو گئے تھے اور عبرانی تحریریں لکھا کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کا کچھ حصّہ بھی اُنھوں نے عربی زبان میں لکھا تھا۔ اس وقت یہ خاصے بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ (حضرت) خدیجۃ الکبریٰؓ نے ان سے کہا: اے ابنِ عم ذرا اپنے برادر زادے کی زبان سے کچھ حال سنئے۔ ورقہ نے کہا: برادر زادے کیا معاملہ ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب واقعات بیان فرمائے۔ تو ورقہ نے کہا کہ: یہ وہی ناموس (پیغام وحی) ہے جو (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل ہوا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا اور اے کاش! میں اس وقت زندہ ہوتا، جب تمہاری قوم تمھیں شہر بدر کر رہی ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: کیا یہ لوگ مجھے شہر سے نکال باہر کرینگے؟ ورقہ نے جواب دیا کہ: ہاں ہاں!! تمھاری جیسی چیز جو بھی لایا ہے اس کے ساتھ دشمنی ہی کی گئی ہے۔ اگر میرے سامنے یہ وقت آیا تو میں تمھاری زبردست مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے اور ان کی وفات ہو گئی اور وحی کا سلسلہ (کچھ عرصے کے لئے) منقطع ہو گیا۔ ......

اس پوری روایتِ وحی کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے نعوذ باللہ حضورؐ کو جبریلؑ کے آنے، بار بار معانقہ کرنے اور کلام وحی القا کرنے کے باوجود اپنے مقامِ نبوت اور منصبِ رسالت کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ اس منصبِ عالی کا علم یا یقین حضور کو اس وقت ہوا جب انجیل کی ورق گردانی کرنے والے ورقہ نے حضور کو بتایا۔۔۔۔ بعض عیسائی بحیرا راہب کی داستان لکھ کر یہ دعوے کیا کرتے ہیں کہ آنحضرت کے تمام کارناموں کا سرچشمہ بحیرا راہب کی چند منٹ کی تعلیم تھی۔ تقریباً وہی انداز وہ اس روایت کی بنیاد پر اختیار کر سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضورؐ کو تو کوئی خبر بھی نہ تھی کہ میں کیا ہوں۔ یہ تو ایک نصرانی (ورقہ) کا کمال یا احسان تھا کہ اس کی رہنمائی سے حضورؐ کو نبوت کی اطلاع ہو گئی اور آگے معاملہ چل پڑا۔

ہم نے جہاں تک غور کیا ہے وہ یوں ہے کہ یہ صحیح بخاری کی روایت تو درست ہے لیکن اس خاص مقام پر سلسلۂ اسناد

کے کسی راوی نے اجمال سے کام لیا ہے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ہم آپ بھی جب کوئی واقعہ دیکھ کر یا سُن کر دُہراتے ہیں تو موقع ومحل کے مطابق کہیں اجمال سے کام لیتے اور کہیں تفصیل سے۔ لیکن بعض اوقات اجمال یا تفصیل کی ذراسی لغزش آگے چل کر بڑے ایسے عجیب نتائج پیدا کرتی ہے جو اس وقت ذہن میں نہیں آتے۔

اس روایت کی یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ حضور اس پہلی وحی کے بارِ عظیم کو محسوس کرکے کانپ گئے ہوں اور لرزاں وترساں گھر واپس آئے ہوں (یرجف فوادہ) یہ بھی سمجھ میں آتا ہے اس ذمے داری کے بوجھ کو بجا طور پر حضور جان کی بازی لگانا تصور فرماتے ہوں (لقد خشیت علی نفسی) لیکن یہ ہمارے تصور میں نہیں آتا کہ اپنی صحیح پوزیشن کو حضور نہ سمجھیں اور سمجھیں تو ایک نصرانی کے بتانے سے سمجھیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ ایک صدرِ مملکت کی طرف سے کسی کو گورنری کا پروانہ بھیجا جائے اور ساتھ ہی کچھ مملکت کی پالیسی بھی تحریر کردی جائے مگر وہ خود نہ سمجھ سکے کہ مجھے گورنر بنایا گیا ہے اور اگر سمجھے تو کسی کلرک کے سمجھانے سے سمجھے۔ ہمارے خیال میں تو یہ بھی بعید از فہم نہیں کہ حضور کو ورقہ کے یہ کہنے پر تعجب ہُوا ہو کہ: "آپ کی قوم آپ کو وطن بدر کردے گی"۔ حضورؐ کو اپنی موجودہ غیر مشتبہ ہر دلعزیزی کے یقینی احساس کے بعد اپنی ہی قوم کے ہاتھوں وطن بدر ہونے پر تعجب ہو سکتا تھا اور ورقہ جو بائبل کے مطالعے سے تمام انبیاء کی تاریخ اور انجام سے واقف تھے اس نتیجے پر پہنچ سکتے تھے۔ یہ سب باتیں (کچھ شکوک کے بعد ہی سہی) سمجھ میں آسکتی ہیں لیکن جسے منصبِ رسالت ونبوت سونپا گیا ہے اس کا خود اپنی حیثیت ومقام سے ایک منٹ کے لئے بھی بے خبر رہنا اور دوسروں کے سمجھانے کے بعد اس سے باخبر ہونا بہت ہی بعید از فہم معلوم ہوتا ہے۔

ہماری دانست میں صحیح بخاری کی اس روایت میں یہ مقام اپنے اندر اجمال رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر اس کی تفصیل کسی دوسری روایت میں مل جائے اور وہ اس کھٹک کو دور کردے تو اسے قبول کرنے میں کوئی تامل نہ کرنا چاہئے۔ وہ تفصیل کیا ہے اسے سنئے:

محمد ابن اسحاق عبید بن عمرو کی زبانی جو روایت بیان کرتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

پہلی وحی (اقرأ الخ) کے بعد جب حضور گھر کی طرف چلے تو راستے میں آسمانی آواز سُنی کہ: یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل۔ یعنی آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں ہوں جبریل۔ ہر طرف دیکھ کر حضورؐ نے جب اوپر دیکھا تو جبریل نظر آئے اور انہوں نے پھر اپنے یہی الفاظ دہرائے کہ: یا محمد انت رسول اللہ وانا جبریل۔ حضورؐ نے گھر آکر یہ پورا واقعہ جناب خدیجہ سے بیان فرمایا۔ جناب خدیجہؓ نے کہا: انی لارجوان تکون نبی ھذہ الامۃ مجھے یقین ہے آپ اس اُمت کے نبی ہوں گے۔ اس کے بعد جناب خدیجہ نے ورقہ کے پاس جاکر

۱؎ یہاں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ عبید نے یہ بیان ایک جماعت کے سامنے دیا ہے جس میں عبداللہ بن زبیر بھی موجود تھے۔

یہ سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اس کے بعد حضور حسب معمول طواف کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں ورقہ سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے حضور سے تمام واقعات بیان کرنے کی خواہش کی۔ حضورؐ نے جب پورا واقعہ بیان فرمایا تو ورقہ نے بھی نبوت کی تصدیق کی۔

حافظ ابن عساکر ورقہ کے حالات میں سلیمان بن طرخان تیمی کی روایت بیان کرتے ہوئے آغاز وحی کے حالات یوں لکھتے ہیں:

..... اذ نزل جبریل فدنا منه فخافه رسول الله صلی الله علیه وسلم مخافة شدیدة فوضع جبریل یده علی صدره ومن خلفه بین کتفیه فقال: اللهم احطط وزره واشرح صدره وطهر قلبه یا محمد! ابشر فانک نبی هذه الامة۔

(غار حرا میں) جبریل نازل ہوئے اور حضورؐ سے قریب ہو گئے۔ حضور کو سخت خوف لاحق ہوا۔ اس وقت جبریل نے اپنا ایک ہاتھ حضور کے سینے پر اور دوسرا پشت پر رکھا اور دعا کی کہ: اے اللہ ان کے بوجھ کو اُتار دے اور انکے سینے کو کھول دے اور ان کے دل کو پاک و صاف کر دے۔ (پھر کہا): اے محمدؐ آپ کو مژدہ ہو کہ آپ اس اُمت کے نبی ہیں۔

پھر سورۂ علق کی آیات پڑھانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے بعد پھر جبریل نے کہا:

لا تخف یا محمد! انک رسول الله ....

حضور گھبرائیں نہیں۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس کے بعد پھر کچھ اور گفتگو ہوئی اور جبریل نے تیسری بار کہا:

لا تخف یا محمد! جبریل رسول الله جبریل رسول الله الی انبیائه ورسله فایقن بکرامة الله فانک رسول الله۔

حضور گھبرائیں نہیں، میں ہوں جبریل، فرستادۂ خدا، میں ہوں وہ جبریل جو اللہ کے نبیوں اور رسولوں کے پاس بھیجا جاتا ہوں، اللہ کی اس نوازش پر یقین رکھئے کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں۔

اس کے بعد جب حضور جناب خدیجہ کے پاس واپس تشریف لائے تو یوں فرمایا:

یا خدیجة أرایت الذی کنت اری فی المنام والصوت الذی کنت اسمع فی الیقظة واهال منه فانه جبریل قد استعلن لی وکلمنی واقرأنی کلاما فزعت منه ثم عاد الیّ فاخبرنی انی نبی هذه الامة۔

خدیجہ! تم سمجھیں کہ میں جو رویائے صادقہ دیکھا کرتا اور جو غیبی آوازیں بیداری میں سُن کر خوف کھایا کرتا تھا اسکی حقیقت کیا ہے؟ وہ دراصل جبریل ہے جو بے حجاب ہو کر میرے سامنے آگیا، مجھ سے باتیں کیں اور مجھے ایسا کلام

پڑھا دیا جس سے میں دہشت زدہ ہوگیا۔ پھر میری طرف دوبارہ متوجہ ہو کر مجھے بتایا کہ میں اس اُمت کا نبی ہوں۔
اس کے بعد جناب خدیجہ اسی وقت ایمان لے آئیں۔ اس کے بعد ورقہ کے پاس گئیں اور انہوں نے بھی تصدیق نبوت کی۔
ہم نے یہ تمام اقتباسات حافظ ابنِ کثیر کی "البدایہ والنہایہ" جلد ۳ صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۴ سے لئے ہیں۔ ہم نے صرف ضروری حصّے لئے ہیں۔ ان اوراق میں کہیں کہیں "رنگِ داستان" بھی موجود ہے لیکن بعض وہ نئی باتیں بھی ہیں جو صحیح بخاری والی روایت میں نہیں اور ہمارے نزدیک انہیں قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ مثلاً:

(۱) غارِ حرا میں آغازِ وحی ماہِ رمضان میں ہُوا تھا۔ عُبید کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: وذالک الشھر رمضان (یہ مہینہ رمضان کا تھا)، عام طور پر سیرت نگار ماہ ربیع الاوّل بتاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ماہِ رمضان زیادہ قرینِ قیاس ہے اور اس کی تائید قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے:

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ......

ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

ہم ثقافت (ماہ مئی ۱۹۵۶ء) میں اس پر ایک مفصّل مضمون لکھ چکے ہیں۔ اسے دیکھ لینا بہتر ہوگا۔

(۲) ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غارِ حرا کا یہ واقعہ بحالتِ خواب پیش آیا تھا۔ عبداللہ بن زبیر کی روایت میں حضور کی زبان سے یہ الفاظ منقول ہیں:

فجاءنی وانا نائم بنمط من دیباج فیہ کتاب فقال اقرأ ...... الخ

میں سویا ہُوا تھا کہ جبریل میرے پاس حریری رومال میں لپٹی ہوئی ایک کتاب (یا ایک تحریر) لائے اور مجھ سے کہا کہ: پڑھئے ...... الخ

پھر آگے چل کر جبریل کے واپس جانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حضور نے یوں فرمایا:

فقرأتھا ثم انتھی وانصرف عنی وھببت من نومی فکانما کتب فی قلبی کتابا۔

میں نے (سورۂ اقرأ کی پانچوں آیات) پڑھ لیں۔ پھر وہ رُک گئے اور واپس ہو گئے۔ اور میں اپنے خواب سے چونک کر بیدار ہو گیا تو ایسا محسوس ہُوا کہ اس نے یہ کتاب (یا تحریر) میرے سینے میں لکھ دی۔

لفظ نوم (نیند) دراصل ایک ایسی کیفیّت سے تعبیر ہے جو حسّی اور فزیکل قسم کی بیداری سے ماوراء ہے۔ یہ ایک Vision ہے جس کے لئے فزیکل نیند ہی ضروری نہیں۔ یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے۔ اُس عالمِ وحی کی کیفیات ہمارے ادراک و قیاس سے بالاتر ہیں۔ اسے ایک پیغمبر ہی جان سکتا ہے۔ البتہ اس کے اظہار کے لئے نیند وغیرہ کے لفظ استعمال کرنے پڑتے ہیں۔

(۳) ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب خدیجہ ہی سب سے پہلے ایمان لائی تھیں اور ورقہ بن نوفل نے بعد میں تصدیق نبوت کی ہے۔

(۴) ایک اور چیز بھی ان روایات میں ایسی ہے جو صحیح بخاری کی اس روایت میں موجود نہیں یعنی اس میں شئے مقروء (پڑھی جانے والی چیز) کا کوئی ذکر نہیں۔ اور ہماری نقل کردہ روایات میں اس کا ذکر موجود ہے: بنمط من دیباج فیہ کتاب۔ (ریشمی رومال میں لپٹی ہوئی ایک کتاب یا تحریر)۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ صحیح ہو کیونکہ مقروء کے بغیر اقرأ کی فرمائش کچھ بے محل سی معلوم ہوتی ہے۔

غرض آغاز وحی کے سلسلے میں اس طرح کئی نئی باتیں ان روایات سے معلوم ہوتی ہیں جو صحیح بخاری کی زیر بحث روایت میں موجود نہیں ہیں۔ اور جہاں ہم ان روایات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضور کو اپنے مقام نبوت اور منصب رسالت کا علم اوّل ساعت ہی میں ہو چکا تھا نہ کہ ورقہ کے بتانے کے بعد وہاں اگر ہم ان روایات کی دوسری (مندرجۂ بالا) نئی باتوں کو بھی تسلیم کر لیں تو کوئی مضائقہ نہیں، اگرچہ وہ باتیں صحیح بخاری کی زیر بحث روایت میں موجود نہیں۔

بات دراصل یہ نظر آتی ہے کہ یوں تو ہر زبان کے بولنے والے کوئی واقعہ بیان کرنے میں ہمیشہ تفصیل سے کام نہیں لیتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بیان کرنے والا درمیان میں خلا (gap) چھوڑ دیتا ہے یا تو اس لئے کہ وہ اسے غیر ضروری سمجھتا ہے یا اس لئے کہ وہ سامع کے فہم پر اعتماد رکھتا ہے کہ محذوفات کی درمیانی کڑی کو وہ خود ہی سمجھ لے گا۔ یا اس لئے کہ وہ اسے دوسرے موقعے پر بیان کر دے گا اور اس وقت اس کی ضرورت نہیں۔ یا اس لئے کہ وہ وقت میں تنگی محسوس کرتا ہے اور بات کو صرف ضروری حصے بیان کر کے جلد ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یا فطرۃً وہ تفصیل پسند نہیں ہوتا۔ غرض اس طرح کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے راوی بعض تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے اور درمیان میں خلا رہ جاتا ہے۔

عربوں میں تو اس کا اس قدر رواج رہا ہے کہ ہم آپ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔ دور کیوں، جائیے خود قرآن پاک کو دیکھئے اس کے اندر اتنے محذوفات ہیں کہ ایک صاحب فہم تو اسے فوراً بھانپ لیتا ہے لیکن سرسری اور سطحی نظر والوں کے لئے ربط کلام کو سمجھنا ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کی مثالیں سینکڑوں موجود ہیں۔ ان سب کا ذکر ایک الگ تصنیف چاہتا ہے جس کا یہاں موقع نہیں، صرف ایک آدھ مثال سے اس کا اندازہ کر لیجئے۔

ملکِ مصر خواب دیکھتا ہے جس کی تعبیر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ساقی کو یوسفؑ یاد آتے ہیں کیونکہ اسے جناب یوسف قید خانے میں اس کے خواب کی سچی تعبیر بتا چکے تھے۔ وہ فرمانروائے مصر سے کہتا ہے کہ فارسلون۔ مجھے آپ اجازت دیجئے کہ میں جا کر اس کی تعبیر لاؤں۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد وہ حضرت یوسف کے پاس گیا ہو گا۔ علیک سلیک ہوئی ہو گی۔ خیر صلاح دریافت ہوئی ہو گی۔ مگر قرآن اس کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ بلکہ یہ بھی ذکر نہیں کرتا کہ ساقی نے ان سے یوں پوچھا کہ .....؟ قرآن اس درمیانی کڑی کو بالکل حذف کر کے فارسلون کے بعد ساقی کا سوال شروع کر دیتا ہے کہ یوسف ایہا الصدیق ..... الخ سچے یوسف ذرا اس خواب کی تعبیر تو بتاؤ ..... الخ

اسی طرح جناب یوسف جب اسے تعبیر خواب بتا چکے تو ظاہر ہے کہ ساقی نے ملک مصر کے پاس آکر یہ تعبیر بیان کی ہو گی۔

پھراس نے پوچھا ہوگا کہ یہ تعبیر کس نے بتائی ہے جو بڑی لگتی ہوئی ہے؟ پھراس نے جناب یوسف کا حوالہ دیا ہوگا۔ مگراس کڑی کا کوئی ذکر قرآن نہیں کرتا بلکہ حضرت یوسفؑ کی زبان سے تعبیر کا ذکر کرنے کے بعد فوراً ہی یہ ارشاد ہوتا ہے کہ : وقال الملك ائتونی بہ۔ بادشاہ نے کہا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ۔

پھر آگے ذکر ہے کہ ملک نے کہا ائتونی بہ استخلصہ لنفسی۔ یوسف کو میرے پاس لے آؤ میں اسے خاص اپنا مقرب بناؤنگا یہاں بھی ظاہر ہے کہ کوئی قاصد جنابِ یوسفؑ کے پاس گیا ہوگا پھر بادشاہ کا پیغام دیا ہوگا۔ پھر حضرت یوسفؑ اسکے پاس تشریف لائے ہونگے۔ پھر سلسلہ کلام شروع ہوا ہوگا۔ لیکن قرآن ان کڑیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتا بلکہ استخلصہ لنفسی کے بعد ہی فلما کلمہ قال انک الیوم مکین امین۔ جب دونوں کی باتیں ہوئیں تو ملک نے کہا کہ آج سے تم مکین وامین ہو۔

سورۂ یوسف میں اس طرح کے پچاسوں محذوفات ہیں جن کو ہر معمولی عقل والا سمجھ لیتا ہے۔

سورۂ والنازعات کو پڑھئے اور دیکھئے کہ چند لفظوں میں کس طرح اس نے موسیٰ وفرعون کی ساری طویل داستان کو سمیٹ لیا ہے اور اس کا عطر نکال کر رکھ دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :

هل اتٰك حديث موسى ہ اذ ناداه ربه بالواد المقدس طوى ہ اذهب الى فرعون انه طغى ہ
فقل هل لك الى ان تزكى ہ واهديك الى ربك فتخشى ہ فاره الاية الكبرى ہ فكذب وعصى ہ
ثم ادبر يسعى ہ فحشر فنادى ہ فقال انا ربكم الاعلى ہ فاخذه الله نكال الاخرة والاولى ہ
ان فى ذلك لعبرة لمن يخشى ہ

موسیٰ کی حکایت تم تک پہنچی ہے؟ جبکہ ان کے رب نے انہیں مقدس میدان یعنی طویٰ میں ندا دی کہ فرعون کی طرف جاؤ وہ سرکش ہوگیا ہے۔ اس سے کہو کہ کیا تیرے لئے یہ بہتر نہیں کہ تو پاک ہوجائے اور میں تجھے تیرے رب کا راستہ بتاؤں تاکہ تجھ میں خشیت پیدا ہو۔ پھر موسیٰ نے اسے بڑی نشانی دکھائی مگراس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر لوٹ کر اپنی تدبیریں کرنے لگا اور لوگوں کو اکٹھا کیا اور منادی کرادی اور کہا کہ میں تمہارا رب اعلیٰ ہوں۔ آخر خدا نے اسے دنیا وآخرت دونوں کے عذاب میں پکڑ لیا۔ اہلِ خشیت کے لئے اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے۔

ذرا دیکھئے اس بیان میں کس قدر محذوفات ہیں۔ اس کے باوجود داستان مکمل ہے۔ اس کا انداز تقریباً ایسا ہی ہے جیسے "شخصے بود پسرے داشت، گم کردو باز یافت" میں حضرت یوسفؑ کی پوری داستان آجاتی ہے۔

پس جب قرآن میں اس طرح کے محذوفات کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں تو صحیح بخاری کی ایک روایت میں بھی اگر اسی طرح کا ایسا خلا موجود ہو جس سے آئینہ حقیقت غبار آلود ہونے کا شائبہ پیدا ہو رہا ہو تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟ ہم دوسری روایات کو قبول کرکے اس غبار کو دور کرسکیں تو اسے قبول کرنے میں محض اس لئے کیوں تامل ہو کہ یہ صحیح بخاری کی روایت میں موجود نہیں؟ ہمیں پھر کہنے دیجئے کہ حضور کو اپنی رسالت کا مکمل صحیح علم اسی آن حاصل ہو چکا

تھا جب پہلی وحی نازل ہوئی تھی اور یہ درست نہیں — جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت سے گمان ہوسکتا ہے — کہ ورقہ کی تصدیقِ نبوت سے پہلے حضور کو اپنی صحیح پوزیشن کا علم نہ تھا۔ کاش ہمارے سیرت نگار صرف روایت بخاری پر اعتماد نہ کرتے اور اس حقیقت کی بھی پردہ کشائی کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

یہاں یہ نکتہ بھی پیشِ نظر رکھئے کہ جناب عائشہؓ اس وقت کے یہ حالاتِ وحی بیان فرما رہی ہیں جبکہ وہ پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے یہ واقعات کسی سے سنے ہی ہوں گے لیکن اس کا کوئی حوالہ نہیں دیتیں۔ نعوذ باللہ یہ تو گمان ہی نہیں ہوسکتا کہ وہ غلط بیانی کر رہی ہیں۔ محدثین کے اصول سے یہ روایت مرسل ہے مگر اسے قبول ہی کرنا پڑتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو ایک بڑے حصہ روایات سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ اور مراسیلِ صحابہ تو بالاتفاق مقبول ہیں۔

الدین یسر

مصنفہ شاہ محمد جعفر ندوی

دین کو ہماری تنگ نظری نے ایک مصیبت بنا دیا ہے ورنہ حضور اکرم کے فرمان کے مطابق دین آسان سی چیز ہے۔ اس مبحث پر یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ قیمت -/۶ روپے۔

افکارِ غزالی

مصنفہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کے شاہکار "احیاء العلوم" کی تلخیص اور ان کے افکار پر سیر حاصل تبصرہ۔ ایک لاجواب علمی مرقع۔ قیمت ۸/ روپے۔

اسلام کا معاشی نظریہ

مصنفہ محمد مظہر الدین صدیقی

عہدِ جدید کے معاشی مسائل پر اسلام کے ان بنیادی اور دائمی اصولوں کا اطلاق کرنے کی ایک کامیاب کوشش جن پر عہدِ رسالت کے تفصیلی اور فروعی احکام مبنی تھے۔ قیمت ۱۲/ روپے

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۔ ۲ کلب روڈ ۔ لاہور